پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شکیل اوج - شخص اور محقق

ابوسفیان اصلاحی ☆

انسان بہت سی چیزوں کو دیکھتا اور اس کی پہنائیوں میں اترتا بھی ہے پر اپنے احساس، مشاہدے اور ذہنی بازیافت کو ردائے حقیقت دیدے شاید ممکن نہیں۔ بہت سے ایسے انسان ہیں جن کے محاسن اور مآثر کی شعوری تصویر تو ہے لیکن اسے الفاظ کی شکل دینا اور ان کے امتیازات کو قلم بند کرنا کار دشوار است۔ یہی کچھ ہم اپنے عزیز محترم دوست حافظ پروفیسر محمد شکیل اوج کے بارے میں کہیں گے، جن کا سب سے بڑا امتیاز ''تمغۂ امتیاز'' نہیں حفظ کلام پاک ہے، حفظ تزکیۂ قلب ہے جس کے انوار شخصیت پر دیکھے جاسکتے ہیں، یہ تزکیہ قلب ہی تو ہے کہ تبسم ریزی شکیل صاحب کا وصف خاص ہے۔ اسی تزکیائی تشخص نے انھیں قرآنیات سے عبارت کیا، تحقیق کا موضوع بھی قرآنیات ہی رہا۔ اپنے مقالہ ''قرآن مجید کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' میں بہت سے نئے گوشوں کو واشگاف کیا۔ مولانا حمیدالدین فراہی کا خیال ہے کہ اگر قرآن کریم کو نکتۂ ارتکاز بنایا جائے تو انسان دنیاوی واخروی گڑھوں میں گرنے سے بچ سکتا ہے یقیناً یہ سچ ہے کہ شکیل صاحب سے صداقتیں دور تھیں بس قرآنی تفکر نے انہیں صداقتوں سے جوڑ دیا۔ قرآن کریم ایک ایسی صداقت ہے کہ جسے پالینے کے بعد تمام صداقتیں آشکارا ہوجاتی ہیں۔ حامل قرآن کے اندر استحکام واستقامت پیدا ہوتی ہے۔ یہ استقامت ہی تو ہے کہ آپ کا ہونہار، سعادت مند اور قرۃ العین میڈیکل کرنے والا بیٹا محمد ریحان خان چند دنوں کی بیماری میں گرفتار ہوکر جوار رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔ راقم الحروف تعزیت کرنا چاہتا ہے لیکن ہمت جواب دے جاتی ہے، کیا کہوں؟ کس طرح کہوں؟ زبان گنگ ہے، گنج گراں مایہ کے چلے جانے سے اوسان خطا ہیں کیوں کہ یہ غالب کے گنجہائے گراں مایہ سے بھی عظیم ہے۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ چاروناچار رجل حزیں کے سامنے حاضر ہوا۔ مجھے غالب کی زبان کب آتی تھی کہ کچھ کہتا؟ جیسے شروع ہوا کہ شکیل صاحب نے سب کچھ آسان کردیا کہ جی جناب! جوان بیٹے کی ناگہانی موت نے سب کچھ لے لیا، صبر یوں ہے کہ یہ سب امانت ربانی ہے، اگر رب اپنی امانت واپس لے لے تو اس پر واویلا کیسا؟ سینہ کوبی

☆ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شعبہ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، انڈیا۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

گئی، ذات رسالت مآبؐ سے ان کو والہانہ تعلق تھا، اُنھوں نے ایک نعت بھی معارف کے لیے بھیجی لیکن افسوس ہے کہ ان کو بھی بعضوں نے منکرین سنت میں شمار کرانا چاہا، ان کو جب خبر ہوئی تو کہنے لگے کہ ایسے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لیے شاید میری کتابیں اصولِ حدیث و تاریخ حدیث بھی کافی نہیں۔ اختلاف اور مخالفت کی حدود کو وہی پار کرتا ہے جو اس کی نزاکت سے ناآشنا ہوتا ہے، پاکستان میں جدید مذہبی علمی حلقوں میں لگتا تھا کہ ڈاکٹر محمود غازی مرحوم کی کمی حافظ شکیل اوج سے پوری ہوگی کہ اہل دانش عام ہیں کمیاب ہیں اہل نظر لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی سب سے اولیٰ سب سے برتر ہے۔ یقین ہے کہ شہادت کے ستارہ امتیاز سے ان کا نصیب، دائمی زندگی میں بھی اوج پر ہوگا، ہاں جن لوگوں نے اس قتل ناحق میں حصہ لیا ہے ان کے لیے کیا یہ آیت کافی نہیں کہ **و من یقتل مومنا متعمدا فجزاء ہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ عذابا عظیما.**

❁ ❁ ❁

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کیسی؟ کیا ہم اس دنیا میں امین ربانی یا شہید ربانی نہیں ہیں اگر امانت کے ساتھ دیانت کا ثبوت نہ دیا گیا تو ہم عنداللہ ماخوذ ومعتوب ہوں گے۔اور کیوں نہ دیا جائے قرآن کریم نے صاف بتادیا ہے ''وَلَن یُؤَخِّرَ اللہُ نَفساً إذَا جَاءَ أجَلُھَا'' [اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ ہرگز مہلت نہیں دیتا۔]

۲۰۰۸ء میں جب خاکسار محترمہ پروفیسر نگار سجاد ظہیر کی دعوت پر ان کے شعبے اسلامی تاریخ میں لکچر کے لیے حاضر ہوا تو سامعین میں پروفیسر محمد شکیل اوج بھی تھے جنھوں نے سوال بھی کیا اور لکچر پر اپنا محبت آمیز تبصرہ بھی ان کی اسی محبت نے مجھے ان کے گھر تک پہنچایا گویا محبتیں دست و پا بن گئیں۔ جہاں اسی سعادت مند، مؤدب اور مہذب بیٹے محمد ریحان خان کے ہاتھوں چائے پینے کو ملی۔ چائے کے ساتھ بسکٹ اور کچھ اور بھی، جب اس غیور بیٹے کے جانے کی خبر ملی تو اس کے ادب واحترام کو سوچ کر آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ اب تک اس کی شرمیلی شخصیت اور حیادار باتیں یاد ہیں، چائے پیتے ہوئے ریحان خان سے کئی سوالات کیے گئے، جس طریقے سے جھینپ جھینپ کر جوابات دیئے اب تک میرے ذہن میں وہ معصومانہ انداز تازہ ہے۔ خدا ایسی با ادب اور باشعور اولاد سب کو دے۔ اسی نشست میں شکیل صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ کسی وقت گھر پر کھانا بھی کھائیں گے، لیکن افسوس کہ پاکستانی ضیافتِ متواتر نے اس کا موقع ہی نہ دیا۔ اب آج کفِ افسوس مل رہا ہوں کہ کیوں نہ پہنچا؟ اگر پہنچتا تو اس حسین ننھے خان کے ہاتھوں کھانے کو ملتا، اس کی ننھی باتوں اور موہنی صورت سے دل بہلتا، کھانے سے زیادہ ہم اس سے سوالات کرتے تاکہ اس کے غیر سیاسی بھولے جوابات کانوں میں رس گھولتے۔ یہی تو وہ بچے ہیں جو آگے جاکر اپنے والدین کی اخروی راہیں ہموار کردیتے ہیں۔

مذکورہ سطور سے شکیل صاحب کی استقامت اور اسلامی شعور کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے کا ایک واقعہ اور سنیے، حقیقت واقعہ تو بتانے سے قاصر ہوں۔ شاید معاملہ کچھ یوں ہے کہ رقیبانِ شہر کو آپ کی تیز رفتاری اور نوع بہ نوع ترقیات سے چڑھ ہے، اتنی سی چھوٹی عمر میں پروفیسر بننا، شعبے کی سربراہی کرنا اور عمید الکلیہ کا اعزاز وغیرہ وغیرہ ان کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہا تھا۔ اسی اشتعال والتہاب نے رقیبانِ محترم کو یہاں تک آمادہ کیا کہ اس کا کام ہی تمام کردیا جائے لیکن فانوسِ ربانی کے سامنے کس کی چلتی ہے؟ ساری انسانی کارگزاریاں فیل ہوجاتی ہیں۔ اسی اثناء میں احقر نے فون کیا تو انھوں نے مجھے بھی اس ناپاک ارادے سے باخبر کیا۔ جان کے لالے پڑے تھے پر لہجے میں وہی ایمانی وایقانی کی قوت، جب انسان کے اندر خوف خدا پیدا ہوجائے تو وہ دنیاوی طاقتوں سے خائف نہیں ہوتا۔ خدا انھیں ناظرین بد سے بچائے تاکہ علمی دنیا ان کے فیوض سے فیض یاب ہوتی رہے۔ اور سہ ماہی ''التفسیر'' اور مجلّہ ''معارف اسلامیہ'' کی ادارت سے دنیائے علم آباد ہوتی رہے۔

شکیل صاحب بڑے لگن کے آدمی ہیں، اتنے جھمیلوں، ادارتی ذمہ داریاں اور شعبہ جاتی مشاغل کے باوجود نئے نئے مسائل پر سوچتے اور انھیں اربابِ فکرودانش تک پہنچاتے رہتے ہیں۔ مجھے شکیل صاحب کی اس بلندیٔ فکر اور دانشورانہ سوچ کا اندازہ نہ تھا۔ انھیں ایک عام سا، ستا اور بودا سا مصنف سمجھتا تھا۔ پر جب انھوں نے ڈی لٹ کی ڈگری لینے کو ٹھانی اور جامعہ کراچی نے مجھے بھی ان کا ایک ممتحن بنایا تو ان کی پانچ تصانیف سبقاً سبقاً پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، اس شخص کے متعلق میری

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

رائے ہی بدل گئی، کیوں نہ بدلتی ایک جذباتی فیصلہ تھا، جذبات ہوا ہو گئے، اب ان کے بارے میں قائم کردہ رائے مدلل ومبرہن تھی۔ ان کا استدلالی انداز اور استنباطی اسلوب پیش نظر تھا۔ ان تصانیف سے شکیل صاحب کی دو چیزیں سامنے آئیں ایک تو قرآن کریم پر ان کی اچھی نظر ہے، دوسرے اللہ نے انھیں فقہی بصارت عطا کی ہے۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ قرآن کریم کے بغیر تفقہ فی الدین آ ہی نہیں سکتا۔ افسوس کہ عہد حاضر میں فقہاء کرام اور مفتیانِ عظام کو اس کی ضرورت ہی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی قرآن کی بات کرتا ہے تو اسے اہل قرآن بتادیا جاتا۔ اس پر حدیث سے بے التفاتی کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ جب مفسر موضوع احادیث کی بات کرتا ہے، قرآن کریم کو حکم گردانتا ہے اور آیات کریمہ کے باب میں احادیث کو ناسخ ماننے سے انکار کرتا ہے تو اسے منکرین حدیث کی صف میں لا کھڑا کیا جاتا ہے۔ کیا علامہ شبلی، مولانا فراہی اور مولانا امین احسن اصلاحی منکرین حدیث تھے؟ بلکہ خاکسار کا خیال تو یہاں تک ہے کہ صاحب ''علم حدیث'' بھی منکر حدیث نہیں ہیں۔ یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک پاکستانی صاحب ہم سے یہ فرمارہے تھے کہ پروفیسر شکیل راہ سے بھٹک گیا ہے اس کے عقائد میں زبردست تبدیلی آئی ہے، میں کیا کہتا؟ اندر ہی اندر ان کی اس سفاہت پر ہنسی آرہی تھی کہ یہ پروفیسر بے چارے کتنے بھولے ہیں۔ بن پڑھے یہ تبصرہ کتنا لچر ہے، یہی حال ہمارے افغانی کا تھا جنھوں نے بن پڑھے سرسید کو نیچری کے لقب سے نوازا، اور اپنے ''العروۃ الوثقیٰ'' کے ذریعہ عربوں کو گمراہ کیا لیکن احمد امین اور عقاد کو گمراہ نہ کر سکے۔ ہندی علماء کرام نے بھی انھیں کرسٹان کہا، پر عجب صابر تھا سرسید، آگے بڑھتا گیا، اسلام کی شفاف تصویر بناتا گیا اور جامعہ اسلامیہ علی گڑھ کی تعمیر کرتا گیا۔ مجھے امید ہے کہ شکیل صاحب اس طرح کی آوازوں پر توجہ نہ دیتے ہوئے اپنی تحقیق کو جاری رکھیں گے۔ مجھے یہ کہنے میں قطعاً مبالغہ نہیں کہ ہندوپاک میں پیر کرم شاہ الازہری کے فکری گوشوں کے تعارف میں جو کارنامے شکیل صاحب کے ہیں وہ شاید کسی اور کے نہیں۔ ان کی قرآنی خدمات کو منظر عام پر لانے میں شکیل صاحب کی تحریریں ناقابل فراموش ہیں۔ بات یہیں تک نہیں رکتی بلکہ انھوں نے اپنے شاگردوں کو بھی اس تحریک پر لگادیا۔ محترم پروفیسر .... نے اپنے تحقیقی مقالہ میں پیر کرم شاہ الازہری کی سیرتی خدمات کا اچھا جائزہ پیش کیا۔ خاکسار اس مقالے کا ممتحن رہا ہے۔ اس لیے اسے یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ شکیل صاحب کی ازہری صاحب کے تصنیفی نکات کی پیش کش میں سنجیدہ کاوشیں رہی ہیں۔ ان کی یہی علمی سرگرمیاں پاکستان کی علمی فضا کے لیے قابل قدر ثابت ہوں گی۔ شکیل صاحب کے بہت سے خیالات سے اختلاف کی گنجائش ہے لیکن ان کے خیالات سے تحقیق جھانکتی ہے۔ اس تعلق سے ان کے کئی مضامین ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ اسی سلسلے کا ایک مقالہ ''نیل پالش کے ساتھ وضو کے جواز کا مسئلہ'' ہے جس میں انھوں نے دلائل دیتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ نیل پالش کے ساتھ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ آیئے ایک اقتباس ملاحظہ کرلیا جائے:

> ''ایک عورت نے جس کے ہاتھ میں کوئی تحریر تھی، پردے کے پیچھے سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کیا تو نبی ﷺ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ فرمایا میں نہیں جانتا کہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔ وہ بولی عورت کا ہاتھ ہے۔ فرمایا اگر تو عورت ہوتی تو اپنے ناخنوں کو متغیر کرلیتی (یعنی رنگ لیتی)''۔

اس روایت کی رو سے عورتوں کو اپنے ناخن رنگ لینے چاہئیں۔ رنگنے کا یہ عمل عہد رسالت ﷺ میں مہندی سے ہوتا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تھا۔مگر فی زمانہ کیمیائی عمل سے ایک ایسی چیز بنالی گئی ہے جو ناخنوں کے رنگنے کے کام آتی ہے اور جسے عرف عام میں پالش کہتے ہیں،اس لیے اگر کوئی عورت اپنے ناخنوں کو متغیر کرنے کے لیے پالش یا مہندی کا استعمال کرے تو اس سے اس نفس مسئلہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ دونوں صورتوں میں حکم رسول ﷺ کی پیروی ہوتی ہے''۔

یہ مقالہ بیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مذکورہ بالا اس ایک اقتباس سے مقالہ کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ایک بات یہاں ضرور کہنا چاہوں گا کہ اختتام مقالہ میں یہ نصیحت ضرور آنی چاہیے کہ قدرتی مہندی اور کیمیکل آمیز پالش میں خاصا فرق ہے، مہندی فائدہ مند ہے، ناخن کو نقصان نہیں پہنچاتی، جب کہ یہ پالش ناخن کے لیے انتہائی مضر ہے، اس کی وجہ سے ناخن جھڑنا شروع ہوجاتے ہیں شادی سے قبل یہ باکرات اپنے ناخن گنوا بیٹھتی ہیں۔ضرورت تھی کہ شکیل صاحب اس پہلو کو بھی ابھارتے کیوں کہ اس کی وجہ سے ناخن پالش کے استعمال کی ترغیب ملتی ہے۔

پروفیسر شکیل صاحب کا ایک مضمون بعنوان ''باندیوں سے نکاح یا تمتع'' ہے۔جس میں پوری طرح سے قرآنی روح اور فقہی بصیرت موجود ہے۔اسی قلت بصیرت کے سبب امت کا سواد اعظم باندیوں سے بغیر نکاح کے تمتع کا قائل ہے۔ جسے سوچ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔انہی تمام مسائل کو لے کر دنیائے استشراق دین اسلام پر ہلہ بولتی ہے۔شکیل صاحب نے قرآن کریم کی روشنی میں باندیوں سے بغیر نکاح کے مباشرت کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے جس پر قابل مبارک باد ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس مسئلے پر جتنے سلیقے سے سرسید نے اپنے رسالہ ''ابطال غلامی'' میں اپنی تحقیق پیش کی ہے اس کی مثال علماء عرب و ہند کے یہاں نہیں ملتی۔اس کے علاوہ اپنی تفسیر اور ''خطبات احمدیہ'' میں بھی اس مسئلے کی تنقیح کی ہے اگر سرسید کے یہ مآخذ ان کے پیش نظر ہوتے تو یہ مقالہ مزید جاندار ہوجاتا، اس کے باوجود باندیوں کے تعلق سے یہ تحریر ترتیب دے کر پروفیسر صاحب نے ایک بڑا کام کیا ہے۔نتیجہ بحث کے طور پر شکیل صاحب نے ۲۴ نکات پیش کیے ہیں کہ باندیوں سے بدون نکاح مباشرت کا ہرگز جواز نہیں ہے۔ یہاں تین نکات پیش کیے جارہے ہیں۔

''(۸) باندیوں کو مال سمجھنا توہین انسانیت کے مترادف ہے۔غلام اور باندیاں بھی انسان ہیں (النساء:۲۵)

(۹) باندیوں سے بغیر نکاح مباشرت و مقاربت عہد جاہلی کی یادگار ہے اسلام نے اس سے روکا ہے۔

(۱۰) چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح حرام ہے۔خود وہ آزاد ہوں یا باندیاں، یعنی لاتعداد باندیاں رکھنے کا تصور خلاف قرآن ہے''۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج نے اپنے مقالات کو ''تعبیرات'' کے عنوان سے ترتیب دیا ہے جس کے تمام ہی مقالات مبنی بر تحقیق ہیں۔آپ کی تحریریں توقف بردار ہیں، مجھے امید ہے کہ آئندہ کی تحریریں بھی توقف و تدبر ہی پر مشتمل ہوں گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جاہ طلبی انھیں تدبیر سے دور کردے۔ طالب تحقیق کا طالب جاہ سے کوئی علاقہ نہیں۔مولانا فراہی اسی طلب تحقیق میں ایسا عازم سفر ہوئے کہ انھیں جاہ طلبی کی کبھی رغبت نہیں ہوئی، نظام حیدرآباد تک کو خاطر میں نہ لائے۔سرسید کے سامنے سرسید کی تفسیر کو عربی میں منتقل کرنے سے انکار کردیا۔گھر جائیداد اور زمین داری کبھی ان کے پیروں کی بیڑی نہ بن سکے حتیٰ کہ پیسے تک نہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

چھوتے تھے۔ پیسوں پر انحصار ان کے نزدیک شرکِ خفی تھا۔ سندھ کالج، علی گڑھ، دارالعلوم حیدرآباد، دارالمصنفین اور مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر کے بنانے کی انھیں فکر رہی۔ ان اداروں سے کمانے کی نہیں ان کی اسی تحقیق طلبی کے اثرات سیرۃ النبی، ترجمان القرآن، تفہیم القرآن، تدبر قرآن، تیسیر القرآن، البیان اور حیات نبی امی میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ شکیل صاحب کا سنگِ میل تفحص و تتبع ہوگا۔ اس مجموعۂ مقالات میں تفحص کا نمایاں کردار نظر آرہا ہے اور یہ سارا کردار حقیقتاً قرآن کریم کی دین ہے۔ اس میں بھی قرآن کریم کو اولیت و اسبقیت دی گئی ہے۔ اس سلسلے کا ایک مقالہ ''قوم، امت اور ملت کے قرآنی اطلاقات اور ہماری شناخت'' ہے۔ اس تعلق سے دو بنیادی مصادر اصفہانی کی مفردات اور ابن منظور کے ''لسان العرب'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تدبر قرآن میں ملت اور امت کے حوالے سے بھی تحقیق پیش کی گئی ہے۔ ضرورت تھی کہ اس کا بھی یہاں ذکر کیا جاتا۔ بالخصوص معروف محقق احمد حسن فرحات کے مقالہ ''لفظ امہ کی تحقیق'' سے استفادہ بھی ضروری ہے جو ایک معرکۃ الآراء مقالہ ہے۔ دیکھیے (مجلّہ علوم القرآن، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۷ء، ۲/۲، ص: ۲۱۔۵۷) اس میں ایک مقالہ ''ایڈز۔ قرآن کریم کی روشنی میں'' چونکا دینے والا ہے۔ ضرورت ہے کہ کتابچے کی صورت میں اسے مشتہر کیا جائے۔ اس باب میں قرآن کریم کی کیا ہدایت ہیں؟ شکیل صاحب نے بڑے سلیقے سے اظہار خیال کیا ہے۔ خاکسار نے اپنی یونیورسٹی میں اس کا خاصا اشتہار کیا، ڈاکٹرز سے اس مضمون کی اہمیت کا ذکر کیا گیا۔ شکیل صاحب کا کہنا ہے کہ قرآنی آیت کریمہ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ يَلْقَ أَثَامًا (الفرقان: ۲۵/ ۶۸) [اور جو کوئی یہ کام کرے وہ اپنے اوپر سخت وبال لائے گا] میں اگر لفظ ''اَثام'' کی تفسیر و تشریح میں جایا جائے تو یہی متبادر ہوگا کہ یہی ''اثام'' جدید دنیا میں ایچ آئی وی/ایڈز ہے۔ شکیل صاحب نے ایک اقتباس کی روشنی میں قرآنی نقطۂ نظر پیش کیا ہے:

''ایچ آئی وی کا مطلب ہے انسانی قوت مدافعت میں کمی کا وائرس۔ یہ ایک ایسا وائرس ہے جو جسم کے مدافعتی نظام پر حملہ کرتا ہے۔ ایک عرصے کے بعد ایچ آئی وی جسم کو اس حد تک کمزور کر دیتا ہے کہ معمولی بیماری کے خلاف بھی مدافعت کی سکت نہیں رہتی اور آخر کار متاثرہ شخص میں بیماری کی علامت پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو ایڈز کہتے ہیں۔ ایڈز کا مطلب ہے ''مدافعتی نظام میں کمی کی علامات'' جب کوئی شخص ایڈز کا شکار ہو جائے تو کبھی بیماری اس پر آسانی سے حملہ آور ہو کر موت کا سبب بنتی ہے''۔

ایڈز کی تعریف جاننے کے بعد قرآنی لفظ ''اثاما'' کا معنی ایک نئے انداز میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ چوں کہ ایڈز کی بیماری بنیادی طور پر ناجائز جنسی تعلقات کے نتیجے میں لاحق ہوتی ہے اور اس بیماری میں مبتلا شخص اپنی قوت مدافعت کھو بیٹھتا ہے۔ اس لیے اس پر اضمحلال، افسردگی اور محرومی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو بالآخر اسے موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔ قرآن نے یہی بات لفظ ''اثاما'' کے ذریعہ بیان کی ہے۔ اس لیے جدید اصطلاح میں تفہیم مطالب کے لیے اگر ''اثاما'' کا ترجمہ ایچ آئی وی/ایڈز سے کر دیا جائے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ قرآنی الفاظ کا اعجاز آفرینی، شانِ جامعیت، اور ادائے مفہوم میں اس کی بلاغت ہر دور میں اپنا لوہا منواتی رہی ہے اور آئندہ بھی منواتی رہے گی''۔

شکیل صاحب کی اس تحقیق کو دیکھ کر آیت کریمہ ''فانه اثم قلبه'' یاد آتی ہے کہ مستقل اعمال سیئہ سے دل بیمار

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہوجاتا ہے اور جب دل ہی بیمار ہوجائے یا یوں کہیے کہ جب غالب کا دلِ ناداں ہی ناکارہ ہوجائے تو جسم کے تمام اعضاء کا کیا بنے گا۔ حدیث میں اس دل کو ''مضغہ'' کہا گیا ہے جب سیدالجسم ہی بیماریوں کی زد میں آجائے تو دیگر اعضاء کا کیا حال ہوگا۔ آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ زنا ہو یا کتمانِ شہادت اس سے دل بگڑتا ہے اور جب دل ہی بگڑ جائے تو نظام ہی درہم برہم۔ بس وہی کہ رگ وریشے میں وائرس دوڑ جائے گا۔ نظامِ جسم فساد کا شکار ہوگا اور قوتِ مدافعت ساتھ چھوڑ دے گی۔ اس میں بہت سے مقالات مثلاً تعطیل جمعہ کی شرعی حیثیت، حج اکبر کا معنی ومفہوم اور اسلامی ذبیحہ وغیرہ ایسے ہیں جو انسان کو دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اگر تحریر باعثِ تحریک نہ ہو تو وہ سعی لاحاصل ہے۔ شکیل صاحب کی تحریریں تحریک وتشویق کا باعث ہیں۔

پروفیسر اوج نے اپنا تحقیقی مقالہ ''قرآن مجید کے منتخب اردو تراجم کا تقابلی جائزہ'' کے عنوان سے ترتیب دیا جس میں اردو تراجم کے حوالے سے مفید باتیں کہی گئی ہیں۔ اس تحقیقی مقالے کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ شکیل صاحب نے اس کی تحریر وتسوید میں ریاضت سے کام لیا ہے۔ اسی طرح اس میں بہت سے مترجمین کے متعلق بھی تفاصیل پیش کی گئی ہیں۔ اس کی ترتیب وتسوید میں بنیادی مصادر تک پہنچنے کی کاوش کی گئی ہے۔ منتخب تراجم میں مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر ''تدبر قرآن'' کا ترجمہ بھی شامل ہے اور مولانا کے سوانحی خاکہ پر مختصراً روشنی بھی ڈالی گئی ہے۔ مولانا کی مادرِ علمی مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ کے متعلق بتایا گیا کہ اس میں ''ابتدائی درجہ تک انگریزی سے متعارف کرایا جاتا تھا'' جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ابتداء سے اس کے آخری درجات تک انگریزی پڑھائی جاتی ہے۔ غالباً ہندوستان کی واحد دینی درس گاہ ہے جس میں میٹرک تک کی انگریزی تدریس کا اہتمام ہے۔ کیوں کہ اس کے نصاب کی تعیین میں مولانا فراہی اور علامہ شبلی کی جہاں دیدگی شامل ہے۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بچوں کا رسالہ ''غنچہ'' مولانا نے جاری نہیں کیا تھا بلکہ مدینہ اخبار کے مالک مولانا مولوی مجید حسن نے ہی اسے بجنور سے جاری کیا تھا۔ غیر منقسم ہندوستان میں ''مدینہ'' اخبار کی بڑی اہمیت تھی۔ اس کا لیڈنگ اخبارات میں شمار ہوتا تھا۔ آپ کی نواسی پروفیسر مسز عابدہ سمیع الدین نے مدینہ اخبار کی اہمیت وافادیت پر ایک کتاب بعنوان ''قومی محاذ آزادی اور یوپی کے مسلمان صحافی'' ترتیب دیا ہے اس میں مولانا مجید حسن کی خدمات پر اجمالی روشنی ڈالی گئی ہے۔ (یہ کتاب ''انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز'' دہلی سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی ہے) مولانا عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارک پوری نے ترمذی کی شرح ''تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی'' کے عنوان سے تحریر کیا ہے۔ مولانا اصلاحی اپنی مجالس میں مولانا مبارکپوری کی علمی صلاحیتوں کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔ درسِ حدیث کے لیے ان کے پاس قیام کے دوران انہیں جو شفقتیں استاذ گرامی سے ملیں اس کا اپنی مجالس میں خاص انداز سے ذکر کرتے تھے۔ اپنے اساتذہ کرام میں مولانا فراہی اور مولانا مبارک پوری کو اولین درجہ دیتے تھے۔

اس سوانحی خاکہ میں شکیل صاحب نے ماہنامہ ''الاصلاح'' کا ذکر کیا ہے۔ اگر قدرے تفصیل آجاتی تو بہتر ہوتا۔ یہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۹ء تک نکلتا رہا۔ اس کا اختصاص قرآنیات تھا۔ اس میں مولانا فراہی کی تفسیر اور کتابوں کے تراجم مولانا اختر احسن اصلاحی کی نظروں سے گزر کر شائع ہوتے تھے۔ مولانا اس میں حک واضافہ بھی کرتے۔ مجلّہ ''الاصلاح'' کی خصوصیات کے لیے مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا مقالہ ''الاصلاح'' دیکھا جاسکتا ہے۔ (وضاحت کے لیے دیکھیے: مولانا امین احسن اصلاحی نمبر،

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

جلد۱۳-۱۴،جنوری ۱۹۹۸ء، دسمبر ۲۰۰۰ء، ص:۳۳۵-۳۷۸) مولانا ضیاء الدین اصلاحی کے اسی مضمون پر خاکسار کا استدراک بھی ہے، جس میں بہت سے جملے کے مقالہ نگاران کے متعلق مزید تفاصیل پیش کی گئی ہیں اور کچھ مقالہ نگاران نے باب میں مولانا کے افتدار کا اظہار کیا تھا۔ ان کے بارے میں تفصیل اکٹھا کی گئی۔ (دیکھیے نذر سلیم، مصنف و مرتب: ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، اشاعت ۲۰۱۲ء، ارورا پرنٹرز پریس، دہلی، ص:۱۰۳-۱۴۰) یہاں رحمٰن آباد گاؤں کے تعلق سے قدرے تفصیل میں جانے کی ضرورت تھی۔ مولانا کی پہلی بیوی کا جب ہندوستان میں انتقال ہوگیا تو مولانا مودودی نے آپ کی دوسری شادی پنجاب میں کرائی، انہیں خاتون صاحبہ کی رحمٰن آباد میں زمین داری تھی۔ یہ زمین مولانا کی نہیں بلکہ ان کی محترمہ کی تھی۔ جماعت اسلامی سے علاحدگی کے بعد تفسیر تدبر قرآن کی تکمیل کے لیے شہر سے دور وہیں مولانا چلے گئے تھے تاکہ شہر کے ہنگاموں سے دور رہ کر پرسکون ماحول میں تفسیر تدبر قرآن کا کام کرسکیں۔ شکیل صاحب نے مستنصر میر کے تحقیقی مقالے کا ذکر "Choherence of the Quran" کے عنوان سے کیا ہے جب کہ اس کا صحیح اور پورا عنوان "The Matual and Structural Choherence in the Quran : a Study of Islahi's concept of Nazm A Critical Analysis of Amin Ahsan" ہے۔ (پروفیسر عبیداللہ فراہی نے مجلہ علوم القرآن (۲/۴، جولائی دسمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۲۰-۱۳۱) میں اس کا تحقیقی جائزہ لیا ہے۔ تدبر قرآن پر ایک آسٹریلیائی اسکالر نے بھی پی ایچ ڈی. "Islahi's Approach to Understanding the Quran" کے عنوان سے ترتیب دیا ہے، جس پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی ہے۔ ویسے مولانا امین احسن اصلاحی کے افکار اور تفسیری تفردات کے لیے مجلہ علوم القرآن کا اصلاحی نمبر (جنوری ۱۹۹۸ء۔ دسمبر ۲۰۰۰ء، صفحات ۵۹۸) حد درجہ معاون ہے۔ پروفیسر شکیل صاحب کی یہ کتاب تراجم قرآن کے باب میں ہمیشہ قابل التفات رہے گی۔ ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی ''تدبر قرآن'' کا عربی ترجمہ بھی کررہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہی نے تدبر قرآن میں مفردات اور اصطلاحات پر ہونے والے مباحث کو ''قاموس الفاظ واصطلاحات قرآنی۔ افادات مولانا امین احسن اصلاحیؒ'' کے عنوان سے جمع کردیا ہے۔ جو۴۹۸ صفحات پر مشتمل ہے اوراب تو ''تدبر قرآن'' کا اشاریہ بھی تیار ہوگیا۔ جس میں اسالیب کلام الٰہی، استفادہ کے مآخذ، اسماء حسنٰی، اعتراضات، الفاظ وتراکیبات، اماکن، تحریفات، تورات، ذات باری تعالیٰ، رسالت مآب ﷺ سنن الٰہی، سوالات شخصیات واقوام، فقہی اشارات، کتب، مشکلات قرآن، موجودہ مسلمانوں سے خطاب، موضوعات، نظام القرآن اور نقطۂ نظر کے تحت پورے تدبر قرآن کے مباحث کا احاطہ کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔ یہ ایک بڑا کام ہے اس کے لیے مرتب لائق مبارک باد ہیں۔ (دیکھیے توضیحی اشاریہ تفسیر تدبر قرآن، مولانا امین احسن اصلاحی، مرتبہ: منظور حسین عباسی، فاران فاؤنڈیشن، طبع اول، اپریل ۲۰۱۳ء، صفحات: ۴۷۲)

یہ بات آچکی ہے کہ پروفیسر شکیل صاحب نے اپنے فکر کی اساس قرآن کریم پر رکھی ہے، کیوں کہ یہی کتاب فکری سوتا ہے، علوم ومعارف کی کرنیں یہیں سے پھوٹتی ہیں۔ اس پُرآشوب دور سے امت کے گزرنے کا واحد سبب یہ ہے کہ اس نے قرآن کریم سے رشتہ توڑ کر مسالک، شخصیات، صوفیہ اور آستانوں سے جوڑ لیا ہے جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان تمام چیزوں

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کا میزان قرآن کریم کو قرار دیا ہے۔ جب کہ شخصیت اور صنم پرستی دونوں اسلام میں منع ہے۔ اس دور انحطاط میں ہمیں شکیل صاحب کی سوچ پر فخر ہے۔ قرآن کریم کے بعد انھوں نے ثانوی ماخذ احادیث رسول کو بنایا ہے۔ جس کی شہادت کے لیے آپ کی کتاب ''صاحب قرآن'' دیکھی جا سکتی ہے۔ اس میں کئی ایسے مقالات ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیرتی لٹریچر سے بھی آپ کو شدید شغف ہے۔ اسی بنیاد پر ان کا یہ کہنا حق بجانب ہے کہ معیاری معاشرے کی تشکیل اسوہ حسنہ کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ بھی ان کا خیال کس قدر بلند ہے کہ سیرت کا اولین آ ماخذ قرآن کریم ہے لیکن افسوس کہ ہمارے سیرت نگاروں نے اس نزاکت پر توجہ مبذول نہیں کی جس کی وجہ سے سیرتی لٹریچر میں ضعیف احادیث کی بھرمار ہے۔ سرسید پہلے شخص ہیں جنھوں نے قرآن کریم کو سیرت کا اولین ماخذ قرار دیا اور خطبات احمدیہ میں بہت سی موضوع احادیث پر تنقید بھی کی۔ یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ احادیث کے باب میں سرسید سے بے احتیاطیاں بھی ہوئی ہیں۔ سرسید ہی کے نہج کو آگے بڑھانے میں علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرۃ النبی'' تحریر کی جس میں موضوع احادیث سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اردو لٹریچر میں خالد مسعود پہلے شخص ہیں جنھوں نے ''حیات نبی امی'' میں قرآن کریم کو ماخذ اول کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہ وہ پہلی کتاب ہے جس کی نظیر شاید سیرتی لٹریچر میں نہیں ملتی۔

بہر کیف شکیل صاحب نے اس دور میں سیرت کے تعلق سے جو قدم اٹھایا ہے یقیناً لائق ستائش ہے۔ کیوں کہ سیرت کے نام پر پاکستان میں ایسی چیزیں آ رہی ہیں جن پر حد درجہ باعث تشویش ہے۔ مجموعہ مقالات ''صاحب قرآن'' میں ایک مقالہ ''اسلام کا تصورِ جہاد: دفاعی یا اقدامی'' کے عنوان سے ہے اس پر شکیل صاحب نے بھرپور انداز میں اظہار خیال کیا ہے۔ خاکسار کا خیال ہے کہ جب جہاد کا اس حیثیت سے جائزہ لیا جائے تو قرآن کریم کی آیت کریمہ ''وتواصوابالحق'' ضرور پیش نظر ہو۔ کیوں کہ جب حق کو سربلند کرنے کی یا اس کے پہنچانے کی بات آئے گی تو جہاد دفاعی بھی ہو سکتا ہے اور اقدامی بھی۔ یہی تو جنگ کی حکمت عملی اور دعوتِ دین کا طریقۂ کار ہے۔ جہاد درحقیقت دعوتِ دین ہے اور اس کے متعلق قرآن کریم نے صراحت کر دی ہے کہ اُدْعُ إِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ(النحل:۱۶/۱۲۵)[تم اپنے رب کی راہ کی جانب حکمت سے اور پیار بھرے انداز میں بلاؤ اور ان سے گفتگو میں بہترین انداز اختیار کیا جائے۔] اس آیت کریمہ کے تین الفاظ حکمت، موعظت حسنہ اور مجادلۂ احسن پر غور کیا جائے تو یقیناً جنگ اقدامی اور دفاعی دونوں ہو سکتی ہے۔ شکیل صاحب دفاعی جہاد کے قائل ہیں، ان کے اپنے مضبوط دلائل ہیں، ان سے لڑنا بھڑنا آسان نہیں، لڑ لیا تو مہمانِ خصوصی کون بنائے گا۔ یہاں یہ بتانا بھی مناسب ہوگا کہ سرسید نے بھی خطباتِ احمدیہ میں جنگ کو دفاعی قرار دیا ہے۔ یہ دراصل ان مستشرقین کا مسکت جواب ہے جو اسلام کو دین قتال قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن سرسید نے اپنا انداز مدافعانہ مرعوبیت میں اپنایا ہے۔ لیکن یہ طے ہے کہ اردو میں جہاد کے موضوع پر اتنا مدلل انداز سب سے پہلے سرسید نے اختیار کیا۔ مولانا مودودی، مولانا آزاد اور ڈاکٹر حمید اللہ وغیرہ بعد کی پیداوار ہیں۔

اس میں ایک مقالہ ''الامی کے معنی کی تحقیق اور اس کے اطلاقات'' کے عنوان سے ہے۔ جس میں مختلف خیالات کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا گیا کہ ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں بحیثیت نبی صرف اللہ کے رسول ﷺ کی ولایت ہوئی ہے۔ اس لیے اسی نسبت سے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

آپ ﷺ کو نبی امی کہا جاتا ہے۔ شکیل صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی کا بھی نقطۂ نظر پیش کیا ہے کہ ''امیون'' سے بنی اسمٰعیل مراد ہیں۔ بنی اسرائیل اپنے اہل کتاب ہونے پر فخر جتاتے تھے اور بنی اسمٰعیل کو غیر اہل کتاب قرار دیتے تھے لیکن اس میں ذم یا حقارت کا پہلو ہرگز نہ تھا بلکہ بنی اسمٰعیل اپنے امیون ہونے پر کسی طرح کی عار محسوس نہیں کرتے تھے۔ شکیل صاحب کی یہ مدلل دریافت ان کی فکری علو پر دال ہے۔ سرسید نے تبیین الکلام اور خطبات احمدیہ میں آمد رسول یا فارقلیط کے حوالے سے اعلیٰ بحث کی ہے انھوں نے براہِ راست توریت، زبور اور انجیل سے استفادہ کیا ہے صحف آسمانی سے استفادے کا رواج اردو میں سرسید نے دیا ہے۔ کیوں کہ وہ لفظی تحریک کے قائل نہیں۔ عبرانی زبان کے اقتباسات خطبات احمدیہ میں بھی دیئے ہیں جس کی وجہ سے مفہوم تک رسائی میں آسانی ہوتی ہے۔ لفظ فارقلیط کے باب میں مستشرقین نے کیا ہیرا پھیری کی ہے اس کا نہایت اچھا تجزیہ کیا ہے۔

پروفیسر شکیل صاحب کے متعلق یہ بات بار بار کہی جا چکی ہے کہ قرآنیات ان کی فکری جولان گاہ ہے۔ یہی غذا ان کی تصانیف میں نظر آتی ہے۔ ان کے نزدیک فکر راست قرآن کریم کے بغیر ہاتھ نہیں آسکتی۔ اسی سلسلے کا آپ کا ایک مقالہ ''مغفرتِ ذنب کا معنی ومفہوم'' ہے۔ اس تعلق سے مفسرین کی مختلف آراء اور مختلف تاویلات ہیں۔ اس مضمون میں مفسرین کی آراء نقل بھی کی گئی ہیں۔ اور تقدیم نتیجہ پیش کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہاں ''ذنب'' سے مراد الزام ہے۔ جس پر پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنی تفسیر میں یوں روشنی ڈالی ہے:

> ''یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے تا کہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے اور جو ہجرت کے بعد لگائے گئے''۔

نیز وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> ''ذنب کا معنی عام طور پر گناہ کیا جاتا ہے، گناہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی کو، لیکن اہل لغت لفظ ذنب کو الزام کے معنی میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور الزام میں یہ ضروری نہیں کہ وہ فعل اس شخص سے صادر بھی ہوا ہو بلکہ بسا اوقات بلا وجہ اس فعل کی نسبت اس شخص کی طرف کردی جاتی ہے''۔

اپنے معنی (الزام) کی تائید میں وہ جس آیت سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ ہے:

> ''ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون'' [انھوں نے مجھ پر الزام قتل لگا رکھا ہے۔ پس مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے قتل کردیں گے] (ضیاء القرآن)

پروفیسر شکیل صاحب نے مذکورہ مفہوم کی تائید میں مزید دلائل پیش کیے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ نقطۂ نظر مزید فکر انگیز ہوگیا ہے۔ یہی فکر انگیزی ان کی شناخت ہے۔ وہ چیزوں کو دلائل کے بغیر قبول نہیں کرتے۔

یقیناً شکیل صاحب کی یہ سیرتی کاوش علمی دنیا میں بقدر نظر دیکھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ کنواں کھود کر پانی پینے کے عادی ہیں۔ وہ اقتباسات کے ذریعہ کتابیں بنانے کے قائل نہیں ہیں۔ سوچنا اور سوچ کر اپنے اوپر طاری کرنا ان کی فطرت ہے۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اپنے اس مزاج کے مطابق انھوں نے ''**خواجہ غلام فرید کے مذہبی افکار**'' کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی جس میں خواجہ غلام فرید کے ملفوظات ''**مقابیس المجالس**'' سے منتخب ملفوظات پیش کیے گئے ہیں اس کتاب کے ذریعہ خواجہ صاحب کے دینی افکار اور تفردات تک رسائی آسان ہو جاتی ہے۔ ان ملفوظات کی روشنی میں تصوف کی بھی ایک تصویر سامنے آتی ہے اور اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو دین اسلام سے میل نہیں کھاتیں۔ صوفیہ کرام کے ملفوظات کو ضرور پڑھا جائے اور ان کی بہت سی قیمتی باتوں کو حرز جاں بھی بنایا جائے۔ لیکن انہیں قرآن وسنت کا درجہ ہرگز نہ دیا جائے۔ ملفوظات میں بعض پہلو ایسے ہیں جنہیں پڑھ کر دل تھرتھرانے لگتا ہے کیوں کہ حدود اللہ کے تمام پاس ولحاظ مٹ جاتے ہیں۔ مقابیس المجالس میں کہیں کہیں صراحتاً قرآن کریم کی خلاف ورزی ہے۔ اس میں بہت سے ایسے خیالات ہیں جن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ تصوف دین نہیں ہے بلکہ ایک فلسفہ ہے۔ بعض علماء کرام نے تو اسے متوازی دین قرار دیا ہے۔ اس کا اسی حیثیت سے مطالعہ ہونا چاہیے۔ پروفیسر شکیل صاحب نے مقابیس سے علمی وفلسفیانہ نکات پیش کیے ہیں۔ یہ کارنامہ اہل علم کے مابین ہمیشہ متداول رہے گا۔

یہ تو تھا شکیل صاحب کا عالمانہ ودانش ورانہ اندازِ فکر، ابتداء میں مضمون میں کچھ آپ کی شخصی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اللہ نے انہیں ہر چیز سے نوازا ہے لیکن طبیعت میں استکبار کا اتا پتا نہیں، انکساری ان کا جزء خاص ہے۔ اسی جزء لاینفک نے خاکسار کو ان کا شیدائی بنادیا۔ صدیق حیم ایسے ہی لوگوں کو کہا گیا ہے۔ کراچی یونیورسٹی کے ایک خطبہ میں آپ سے ملاقات کیا ہوئی کہ انھوں نے اپنا بنالیا۔ خود اپنے شعبہ میں میرا لیکچر کرایا، خطبے میں ان کے کچھ تسامحات کا ذکر بھی کیا لیکن آپ کی ایسی علمی **وسیع الظرفی** کہ انھیں مسکراتے ہوئے دیکھا۔ وسیع الصدر انسان ہی محقق بن سکتا ہے۔ محقق مجادلے کا مخالف ہوتا ہے۔ وہ وار نہیں کرتا بلکہ اس کی تحریر اس کی زبان، اس کی لے اور اس کا انداز ہی مانند ''صمصام'' ہے۔ وہ چیختا اور دھاڑتا نہیں بلکہ دھیرے دھیرے پتھر کی سلوں کو کاٹ دیتا ہے۔ شکیل صاحب کی فراوانیٔ محبت نے مجھے ہم ٹی وی تک پہنچایا اور بوقت انٹرویو فون کے ذریعہ مجھے Backup بھی کرتے رہے۔ بہر کیف ۲۰۰۸ء سے ان کی محبتوں میں سرشار ہورہا ہوں۔ سرشاری کا یہ حال ہے کہ ابھی ۱۲،۱۳ر فروری ۲۰۱۴ء کو سیرۃ النبی پر عالمی کانفرنس کا انھوں نے انعقاد کیا کروایا کہ خاکسار کو افتتاحی نشست میں صدر پاکستان اور گورنر آف سندھ ڈاکٹر عشرت العباد کے بیچوں بیچ لا بٹھایا۔ یہ ہے ان کی محبتوں اور وسعتوں کا سیلاب۔ جس میں بہنے کو جی چاہتا ہے پر بقول غالب ''کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد''۔

انسان کا حقیقی تعارف یہ ہے کہ خلق خدا پسِ پشت اس کے متعلق کیا رائے رکھتی ہے۔ ان کے کئی تلامذہ سے کراچی میں ملاقاتیں رہیں۔ سب ان کی محبتوں اور شفقتوں کے گن گاتے رہے۔ تلامذہ ہی اساتذہ کرام کے بارے میں اصل feed back دیتے ہیں۔ بحیثیت نگراں شکیل صاحب اپنے اسکالرز کے لیے ہر وقت تیار، ان کے علمی تعاون کے ساتھ ان کے معاشی مسائل میں بھی معاون ہونا ان کا فرض منصبی ہے۔ مجھے اندازہ ہے کہ ان کی معاونت ومساعدت کے لیے اپنی جیب خاص کا بھی استعمال کرتے ہیں۔ اگر معلم معاون نہ ہو تو اس کی تعلیم بے معنی ہے۔ معلم ہر وقت معاون ہوتا ہے۔ کلاس اور کلاس سے باہر تلامذہ کو دیکھنا واجبات تدریس کی حقیقی ادائیگی ہے۔ پروفیسر شکیل صاحب انہی اقدار وآثار کے حامل ہیں۔ ہاں مجھے یہ بتانا بھی تو

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ضروری ہے کہ یہ سطریں صرف آپ کے مرحوم بیٹے محمد ریحان خاں کی یاد میں تحریر کی گئی ہیں جو بہت دور چلا گیا۔ انہی دور بستیوں کا رونا فراق نے بھی رویا ہے۔ مجھے بھی اس کے ساتھ چند ساعتیں رہ کر رونا آ رہا ہے۔ بتایئے وہ ماں باپ جن کی نظروں میں سالوں رہا ہو، ضد کرتا رہا ہو، شرارتیں کرتا رہا ہو، اس اُس بہانے والدین کی جیبیں ٹٹولتا رہا ہو ان پر کیا کچھ گزر رہی ہوگی۔ محمد ریحان خان نے خاکسار سے ایک بار ہاتھ کیا ملایا کہ اب بھی ہاتھوں سے خوشبو آ رہی ہے۔ کیوں کہ اس کا وجود ریحان جو ٹھہرا۔

ہاتھ اس نے چھڑالیا ہے مگر انگلی انگلی مہک رہی ہے ابھی

مذکورہ بالا سطور اس وقت تحریر کی گئیں تھیں جب شکیل صاحب زندگی کی بقیہ سانسیں لے رہے تھے، زندگی کی متعینہ سانسوں کو بڑھانا یا گھٹانا کسی متنفس کے بس میں نہیں "وما کان لنفس ان تموت الا باذن الله کتباً مؤجلا" (بغیر اللہ کی اجازت کوئی جاندار نہیں مر سکتا، مقرر شدہ وقت نوشتہ ہے) اب آگے کی سطور میں اس وقت لکھ رہا ہوں جب شکیل صاحب ہم لوگوں کے بیچ میں نہیں رہے۔ آج صبح ۱۸ر ستمبر ۲۰۱۴ء *Target Killing* میں جامِ شہادت نوش کرتے ہوئے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے۔ شدید خواہش تھی کہ سیہ بخت کی یہ خامہ فرسائیاں اپنے عزیز، محسن اور انسانیت نواز کے سامنے حاضر ہو جائیں لیکن افسوس صد افسوس کہ ایسا نہ ہوا اور وہ وجہِ شکیل آسودۂ خاک ہوا، مغرب سے قبل یہ جاں گسل خبر اپنی بیٹی سے سننے کو ملی مجھے یقین نہیں آ رہا تھا تو اس نے اسکرین پر شکیل صاحب کی تصویر بھی دکھادی۔ تصویر دیکھنی کیا تھی کہ میرے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ ۱۶ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو بعد نماز عشاء ان سے باتیں ہوئیں۔ بڑے مزے مزے کی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ دل چاہتا تھا کہ ان کی یہ شعلہ بدوش باتیں چلتی رہیں۔ مہینے میں تقریباً دو تین بار باتیں ہو جاتی تھیں۔ سلام کے بعد فوراً "سرکار" کہہ کر مخاطب کرتے جس میں عجیب فروتنی اور انکساری ہوتی، اسی چیز نے انھیں پاکستانی اہل علم کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ یہی توجہ ہے کہ فیصل آباد اور اسلام آباد کے کئی اہل علم نے یہ دلدوز خبر سنائی۔

شکیل صاحب نے ۱۶ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو فون کر کے یہ دریافت کرنا چاہا کہ کیا میرا بھیجا ہوا کتابوں کا پیکٹ ملا، نفی میں جواب ملنے کے بعد فرمایا کہ جلد ہی مل جائے گا چنانچہ ۲۴ر ستمبر ۲۰۱۴ء کو یہ پیکٹ ملا، جسے دیکھ کر آنکھیں برسنے لگیں کہ یہ مرحوم کا آخری پیکٹ ہے۔ اب کہاں کا پیکٹ، کہاں فون پر داستانِ محبت کی فراوانی، اور کہاں فکر و فن کی باتیں؟ اس آسودۂ خاک کے ساتھ زندگی ہی چلی گئی تو امید کیسی؟ اس پیکٹ میں شکیل صاحب کی کتابیں ہیں۔ شکیل صاحب کے علمی اکتسابات اور معاشرتی خدمات پر کراچی میں ایک کتاب "ارمغانِ علمی" کے عنوان سے ترتیب دی جا رہی ہے۔ جس کے مرتب ڈاکٹر محمد سہیل شفیق ہوں گے۔ مرتب کتاب کی خواہش تھی کہ ہندوستان سے تین چار مقالات مل جائیں تاکہ مجموعے میں ہندوستانی اہل قلم کی بھی نمائندگی ہو سکے۔ اسی سلسلے کا یہ مضمون بھی ہے۔ راقم الحروف کی دلی آرزو تھی کہ شکیل صاحب اسے دیکھتے لیکن شومئ قسمت کہ ایسا نہ ہو سکا۔ اگر ایک دن کی انھیں من جانب اللہ مہلت ملتی تو یہ ضرور نظر نواز ہوتا۔ مضمون کی کچھ چیزیں جب انھیں فون پر بتائی گئیں اور عرض کیا کہ آپ کے جواں سال بیٹے محمد ریحان کا ذکر بھی اس اس طرح سے کیا گیا ہے تو فوراً سنجیدہ ہو گئے، آوازیں رکنے

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ڈاکٹر شکیل اوجؔ کی اُفتادِ طبع کے عناصرِ ترکیبی

غازی علم الدین ☆

فیض نے اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا تھا:

آیا ہمارے دیس میں اِک خوش نوا فقیر
آیا اور اپنی دُھن میں غزل خواں گزر گیا

ڈاکٹر شکیل اوج کو مرحوم کہتے ہوئے کلیجا منہ کو آتا ہے۔ وہ ایک ''ہیرا تراش کردار'' کے طور پر جامعہ کراچی میں کوئی ربع صدی تحقیق کے طلبہ کو سیراب کرتے رہے۔ وہ ایسے نابغۂ روزگار تھے جو جامعہ کراچی میں بدقسمتی سے صحبتِ ناجنس کا شکار ہو گئے اور ان کی روشن طبع ان کے لئے بلا بن گئی۔ ان کی افتادِ طبع کو پیشِ نظر رکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہمارے یہاں وقت سے بہت پہلے ظہور پذیر ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر اوج مذہبی اسکالرز کے اس طائفے سے تعلق رکھتے تھے جنھیں عرفِ عام میں ترقی پسند اور روشن خیال تصور کیا جاتا ہے۔ ان کی فکری اٹھان اگرچہ ایک مسلکی دینی مدرسے کی مرہونِ منت ہے مگر ان کا فکر تدریجاً تغیر پذیر ہوتا چلا گیا جس کے سبب وہ کچھ لوگوں کے تئیں ناپسندیدہ شخصیت ٹھہرتے گئے۔ وہ جامعہ کراچی میں کیا آئے، بحث و مباحثہ کی دنیا میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ بحرِ سکوت میں انھوں نے ایسا پتھر پھینکا کہ بحث کے تلاطم نے تھمنے کا نام نہ لیا۔ ڈاکٹر اوج کی سیمابی اور انقلابی شخصیت نے استاد، صدرِ شعبہ اور ڈین کی حیثیت سے اصلاحِ احوال، تحقیقی معیار اور تربیتی ماحول کو بہتر بنانے اور اپنی بصیرت کے ابلاغ کے لئے جو پیش قدمی کی اور اس راہ میں جو منفی رویے حائل ہوئے، سبق آموز ہی نہیں عبرت آموز داستان ہے۔ ان کا یہ کمال تھا کہ وہ جہاں لوگوں کو اپنی محبت کا اسیر بناتے، وہاں اپنے حاسدین کی فوج ظفر موج بھی تیار کر لیتے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

☆ پروفیسر غازی علم الدین، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، افضل پور، میرپور، آزاد کشمیر۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com